TAMSAAL
تمثال
Vol 1, Issue 1 Jan-Jun,2022
www.tamsaal.pk tamsaalurdu@gmail.com

مبشر اکبر
اسکالر پی ایچ۔ڈی، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور

صادق حسین افسانوی ادب کے تجزیاتی مطالعہ

Mubasher Akbar
Scholar Ph.D., Islamia University, Bahawalpur

An Analytical Study Of Sadiq Hussain Fictional Literature

By studying the fictional literature of Sadiq Hussain, his concept of life can be found or known. Sadiq Hussain has observed life very deeply and what he considered the most important thing in life is the mutual relationship between man and man. . The subject of his story is "man" and his pen cannot remain silent on the injustice, abuse and persecution of this man. Being killed by desires, their hearts are disturbed and sometimes they are saddened by the helplessness of people who are defeated by poverty and poverty. This attitude of his in fictional literature reflects that he is a humanitarian by nature. When they expose these aspects of life, they aim to draw us to its cure and reformation. Therefore, when he sees the plight of the working class and the injustice done to them, his pen creates masterpieces like Hathira. They see the essence of humanity alive even in the rejected people of the society

Keywords: mutual relationship, literature reflects, humanitarian, Hathira.

کلیدی الفاظ: ضخیم تخلیقات، مستحکم، ارضی پہلوؤں

کہانی کی روایت زندگی اور ادب میں تو بہت پرانی ہے لیکن مختصر افسانے نے ایک مستقل فن کی صورت موجودہ دور میں ہی اختیار کی ہے مختصر افسانہ اردو میں مغرب کے زیر اثر آیا ہمارے یہاں بیسویں صدی کے ابتدائی عشروں میں اس فن کی کوئی جان دار روایت موجود نہ تھی لیکن یہ یہاں اس تیزی سے پروان چڑھا کہ دیکھتے دیکھتے نثر کی دیگر اصناف پر چھا گیا اور آج اس کی روایت بڑی روشن جاندار اور مستحکم نظر آتی ہے اس کے اس تیزی اور کامیابی سے آگے بڑھنے کا سبب یہ ہے کہ اردو میں داستان، کہانی اور حکایت کی صورت میں یہ روایت پہلے سے موجود تھی ۔ آج کے افسانے کا پس منظر در حقیقت داستان سے موجود تک کا سفر ہے۔ داستان ہمارے افسانے کی سپلائی لائن ہے۔ وقار عظیم کا خیال ہے کہ :

باغ و بہار اور فسانہ آزاد کے بعض اجزا کو اگر الگ الگ کر کے دیکھاجائے تو ان کے اندر بھی بعض جگہ مختصر افسانہ چھپا ہوا نظر آئے گا۔"۱

مختصر افسانے کے آغاز سے متعلق ایک نقطہ نظر ہے کہ انیسویں صدی کے آخر تک صنعتی انقلاب کے تحت انسان اتنا مصروف ہو چکا تھا اور اس کے پاس فرصت کے اتنے لمحات نہ تھے کہ وہ ضخیم تخلیقات میں دلچسپی لے سکیں چنانچہ اس چیز نے داستان اور ناول کی جگہ مختصر افسانے کو پیدا کیا۔ اس بات کی تائید کرتے ہوئے ڈاکٹر عبادت بریلوی اپنی کتاب افسانہ اور افسانے کی تنقید میں لکھتے ہیں ۔

" صنعتی انقلاب نے جو حالات پیدا کئے تھے انھوں نے انسانی مزاج کو تبدیل کیا تھا۔ ان کے مذاق میں ایک بدلی ہوئی کیفیت پیدا کر دی تھی وہ ہر چیز کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے لگے تھے ۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں اپنی جمالیاتی تسکین کے لئے نئے اصناف کی ضرورت پیش آئی ...مختصر افسانہ بھی ان بدلتے ہوئے حالات اور ان کے تقاضوں کے زیر اثر نئے تجربات کے سلسلے کی ایک کڑی ہے۔"۲

اردو کے پہلے افسانہ نگار کے بارے میں محققین تا حال متفق نہیں ہو سکے۔

" ڈاکٹر معین الرحمن نے سجاد حیدر یلدرم کو اردو کا پہلا افسانہ نگار قرار دیا ہے۔ ۳

ڈاکٹر عبید اللہ خان، پریم چندر کو اردو کا پہلاافسانہ نگار کہتے ہیں ۔

ڈاکٹر مسعود رضا خاکی ، راشد الخیری کواردو کا پہلا افسانہ نگار مانتے ہیں ۔'۵

بعض دہلوی حضرات سلطان حیدر جوش کو اردو کا پہلا افسانہ نگار مانتے ہیں ۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ سجاد حیدر یلدرم، پریم چند، راشد الخیری اور سلطان حیدر جوش نا صرف ہم عصر افسانہ نگار ہیں بلکہ اردو افسانے کے چار الگ الگ اسالیب کی حیثیت رکھتے ہیں۔سجاد حیدر یلدرم اردو کی رومانوی تحریک کے سرخیل تسلیم کیے جاتے ہیں ۔ ان کی رومانویت ماورایت کی نمائندہ ہے اور نہ ہی اس نے اپنے عہد کے سیاسی اور سماجی حقائق سے نظریں چراتے ہوئے کوئی خیالی اور فرضی دنیا تخلیق کی ہے ۔ یلدرم کے ہاں عورت کا ظہور جنسی کشش کا کھلم کھلا اعتراف تھا۔ یہ ایک نیار جحان تھا جو کہ یلدرم کو اپنے زمانے کی اخلاقی اقدار اور اس کی جکڑ بندیوں کے خلاف ایک کھلی بغاوت تھی ۔ راشد الخیری اور سلطان حیدر جوش نے مسلم معاشرت کو موضوع بنایا لیکن راشد الخیری نے تو ہم پرستی ، ضعیف الاعتقادی، خاندانی تعصبات پر بڑے عمدہ افسانے لکھے اور ایک اعتبار سے ان کا نقطۂ نظر ترقی پسندادیوں سے مماثل ہے جب کہ سلطان حیدر جوش نے اردو افسانے میں طنز یہ اسلوب کو متعارف کروایا خاص طور پران کے افسانے جن میں مغربی تہذیب کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی سیاسی غلامی کولٹر کا ہدف بنایا گیا۔ جہاں تک پریم چند کا تعلق ہے تو وہ بلا شبہ اردو افسانے کا سرمایہ ہیں۔ اس کے فن نے مثالیت پسندی سے حقیقت نگاری تک اور سماجی واقعیت نگاری سے بے رحم حقیقت نگاری تک بڑی خوبصورتی سے سفر طے کیا ہے۔ پریم چند کے ہاں زندگی کا صحیح احساس موجود ہے اس کے دور میں افسانہ تخیل محض کی فضا سے نکل کر زمینی فضا سے قریب تر ہونے میں یقیناً کامیاب ہوا۔ اس نے غلامی ، جہالت، تنگ نظری ، تو ہم پرستی کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اس لیے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ترقی پسند تحریک کی افسانوی روایت کا سر چشمہ پریم چند ہی ہے۔

۱۹۳۰ء اور ۱۹۴۰ء کے درمیان بدلتے ہوئے حالات اور آزادی کی جدو جہد نے غلامی اور بیرونی سامراج کے خلاف نفرت کے جذبات کو ہوا دی جس کا اثر ادب پر بھی ہوا افسانے کےاس دور میں افسانہ نگار نے تخیل محض کی فضا میں رہنے کی بجائے تخیل کو سماجی کروٹوں اور ارضی بندھنوں کی پرکھ کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا ۔ جن میں نمایاں نام سعادت حسن منٹو، ممتاز مفتی ، غلام عباس، کرشن چندر، راجندر سنگھ بیدی اور احمد ندیم قاسمی نمایاں ہیں ۔(تفصیل کے لئے اردو افسانہ اور افسانہ نگار 'از ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ملاحظہ ہو)

افسانہ نگار کامقصود فن چونکہ اصلاح اور معاشرے کو بنی نوع انسان کے لئے زیادہ خوبصورت اور دلکش بنانا تھا اس لئے ان کے موضوعات میں وسعت پیدا ہوئی اور اشتراکیت ، جمہوریت ، آزادی، غلامی ، آمریت، مذہبی اجارہ داری، طبقاتی تنگ نظری، نسلی برتری ، معاشرتی اور معاشی جبریت ، نفسیاتی پیچیدگیاں ، جنسی مسائل جیسے موضوعات افسانے میں در آئے۔ اس سلسلے میں شوکت صدیقی ، اشفاق احمد، ممتاز شیریں ، قدرت اللہ شہاب، بانو قدسیہ اور انتظار حسین کے نام نمایاں ہیں۔ تقسیم ملک نے اردو افسانے کے ایک اور دور کو جنم دیا۔ تقسیم سے پہلے آزادی کی تحریک نے فضا میں ایک عجیب کی بے قراری اور تحریک کو جنم دیا تھا لیکن تقسیم کے بعد اپنوں کی بے حسی اور بے غیرتی ، بدنظمی اور بدعنوانی ، لوٹ کھسوٹ، جبر و ظلم جیسے موضوعات عام ہوئے اس کے ساتھ ہی زندگی کے ارضی پہلوؤں کو قریب سے دیکھنے کا رجحان عام ہوا۔ اس دور کے اہم لکھنے والے کچھ تو وہی ہیں جن کا ذکر اوپر ہو چکا ہے اور مزید قابل ذکر ناموں میں عصمت چغتائی ، بلونت سنگھ ، جیلانی بانو ، ہاجرہ مسرور،خدیجہ مستور، مہندر ناتھ ، قرۃ العین حیدر ، الطاف فاطمہ، جمیلہ ہاشمی ، غلام الثقلین نقوی ، آغا بابر ، انور سجاد، اے حمید، بلراج کومل ، یونس جاوید ، منشا یاد، عرش صدیقی اور صادق حسین کے نام شامل ہیں۔ ان میں سے کچھ تو ایسے ہیں جنھوں نے افسانے کے دوسرے دور میں ہی نام کما لیا تھا اور کچھ نام ایسے ہیں جو لوگ درمیان میں وقفے وقفے سے اس محفل میں شریک ہوتے چلے گئے ۔ گویا ہمارے ہاں مختصر افسانے کا کاروان روایت اورجدت کی جن پگڈنڈیوں پر محو خرام تھا وہ صادق حسین تک پہنچتے پہنچتے ایک شاہراہ کی صورت اختیار کر چکی تھی ۔ یوں تو ہر فنکا رفتی زندگی کی طرف پہلا قدم پیش رو نسل کی تقلید میں ہی اٹھا تا ہے لیکن ضروری نہیں کہ یہ تقلید خود کشی کے مترادف ہو بلکہ ہوتا یوں ہے کہ بڑے فنکار اپنی اس فنی ریاضت کے دور میں ایک

طرف اظہار کے فنی وسیلوں پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہیں اور دوسری طرف خود بخودان کا رشتہ روایت سے جڑا رہتا ہے۔ ہر شخص کا زندگی کے بارے میں کوئی نہ کوئی تصور ہوتا ہے جس کااظہار وہ مختلف انداز میں کرتا ہے فن کار کا تصور حیات اس کے فن یعنی تخلیقات میں جھلکتا ہے دوسرے لفظوں میں تخلیقات کی حیثیت ایک آئینے کی سی ہے جس میں تخلیق کار کے تصورفن یا تصور حیات کا عکس دکھائی دیتا ہے۔

ادیب معاشرے کا ذی شعور اور حساس فرد ہے۔ اس کی تیز نگاہ زندگی کے ان پہلوؤں کو بھی بے نقاب دیکھتی ہے جن پر ایک عام فردا چنتی سی نگاہ ڈال کر اسے نظر انداز کر دیتا ہے لیکن وہ زندگی کا مطالعہ بڑی شرف بنی سے کرتا ہے اس کے تمام پہلوؤں کو ایک خاص زاویہ نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس سے جو نتیجہ اخذ کرتا ہے وہ معدن حیات سے حاصل کیا ہواوہ جو ہر ہوتا ہے جو کبھی اس کا نصور حیات کہلاتا ہے اور کبھی تصور فن ۔ حقیقتا یہ دونوں ایک ہی تصویر کے دورخ ہیں کیونکہ فن کار جو کچھ زندگی سے اخذ کرتا ہے اسے اپنے فن میں سمو دیتا ہے اس طرح اس کا تصور فن تصور حیات سے کوئی الگ چیز نہیں ۔

صادق حسین کے افسانوی ادب کے مطالعے سے ان کے تصور حیات کا پتہ چلا یا جا سکتا ہے۔ صادق حسین نے زندگی کا بڑی گہری نظر سے مشاہدہ کیا ہے اور زندگی میں جس چیز کو سب سے اہم سمجھا ہے وہ انسان اور انسان کا باہمی رشتہ ہے ان کے افسانوی ادب میں انسانیت کا احترام اور انسانیت کے مقام سے متعلق بڑے خوبصورت جذبات ملتے ہیں۔ ان کی کہانی کا موضوع" انسان "ہے اور اس انسان سے ہونے والی نا انصافی ، زیادتی اور ظلم و ستم پر ان کا قلم خاموش نہیں رہ سکتا بعض اوقات وہ انسان کی تقدیر کے ہاتھوں شکست پر بے قرار ہو اٹھتے ہیں کبھی ننھی منی معصوم خواہشوں کے ہاتھوں قتل ہونے پر ان کا من مچل اٹھتا ہے اور کبھی غربت اور افلاس کے ہاتھوں شکست کھانے والے انسان کی بے بسی پر تڑپ اٹھتے ہیں ۔ افسانوی ادب میں ان کا یہ رویہ اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ وہ فطرتا انسان دوست ہیں ۔ زندگی کے ان پہلوؤں کو جب وہ بے نقاب کرتے ہیں تو ان کا مقصد ہمیں اس کے علاج اور اس کی اصلاح کی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے جب وہ مزدور طبقے کی بدحالی اور ان کے ساتھ ہونے والی نا انصافی کو دیکھتے ہیں تو ان کا قلم ہتھیرا جیسے شاہکار تخلیق کرتا ہے ۔ معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے انسانوں میں بھی وہ انسانیت کا جذ بہ زندہ دیکھتے ہیں ۔ ایسے میں کبھی داد و تخلیق ہوتا ہے اور کبھی " خون اور پانی کا ظفر کبھی محبت تمام جذبوں پر حاوی ہو جاتی ہے تو ایسے میں کلیوں کی پکار ، پونہچیاں، مولا پہلوان اور خون کی پگڈنڈی جیسے افسانے وجود میں آتے ہیں ۔ لہو کے چراغ جیسا ناولٹ تخلیق کرتے ہیں ۔ اور جب غربت اور افلاس کے ہاتھوں انسان کی تذلیل ہوتی ہے تو ایسے میں دو چھٹا تک چاول ، جھولی ، انسان اور حمیدا کڑیل جیسے افسانے ان کے نوک قلم پر آجاتے ہیں ۔

اصول پسندی اور معاشرے کی بے حسی ظاہر کرنے کے لئے وہ خوشبو ڈرامے میں پروفیسر چشتی کا کردار اور ان

کے آس پاس محلے والوں کا ذکر کرتے ہیں۔ انسان کے لالچ اور گھریلو مسائل کو اجاگر کرنے کے لیے نیا سویرا جا ناول تخلیق کرتے ہیں جس میں ہر انسان کو پیش آنے والے مسائل جیسے میاں بیوی کا جھگڑا، اولاد کی تربیت اور مال کمانے کے لئے نا جائز ذرائع کا بے دریغ استعمال پر بڑی ہنرمندی کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں۔ تا ہم غور کیا جائے تو ان کے تمام افسانوی ادب کے بین السطور ایک ہی جذبہ کارفرما نظر آتا ہے اور وہ ہے انسان دوستی انسان کا وقار، انسان کا مقام، صادق حسین کے اکثر افسانے انسان کے اسی گم گشتہ وقار کی جستجو سے متعلق ہیں اور یہی ان کا تصورفن یا تصور حیات ہے۔

صادق حسین اپنے افسانوی ادب میں مضافاتی انسان اور مضافاتی فضا کو اہمیت دیتے ہیں ۔ دیہات کی سچی اور کھری زندگی اور دیہاتی انسان کی فطری اور ریا کاری سے پاک زندگی میں ان کے لیے جو کشش ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کے بیشتر افسانوی ادب کا موضوع دیہات ہے وہ گاؤں کی سیدھی سادھی اور پر خلوص زندگی کے شیدائی ہیں اس لئے ان کے افسانوی ادب میں پنجاب، کشمیر اور مشرقی پاکستان کے گاؤں اپنے تمام دکھ سکھ ، شادی غمی اور سادگی و رعنائی کے ساتھ ابھرتے ہیں اور اپنے نو بہ نو جلوے دکھاتے ہیں۔ صادق حسین کا افسانوی ادب اگر چہ گاؤں کی زیادہ عکاسی کرتا ہے لیکن انھیں محض گاؤں تک محدود کر دینا بھی ان کے ساتھ زیادتی ہے۔ انھوں نے شہری زندگی کے بھی بڑے نازک اور پیچیدہ پہلوؤں پر قلم اٹھایاہے۔اس سلسلے میں ان کا ناولٹ لہو کے چراغ ناول نیا سویرا " ڈرامہ" خوشبو "اور افسانے ہونے ، جب قوس قزح کی آنکھ

کھلی ، سورج مکھی اور بینٹ کی بیگم کی مثال دی جاسکتی ہے۔ صادق حسین کے افسانوی ادب کے موضوعات اور ان کی کہانیوں کی فضا اور افسانوی تاثر اگر چہ انھیں ترقی پسندوں کے زمرے میں لا کھڑا کرتا ہے لیکن در حقیقت صادق حسین کا ترقی پسند تحریک سے کوئی تعلق نہیں بلکہ ان کے دوست جناب عزیز ملک کے کہنے کے مطابق۔

"صادق حسین ترقی پسندوں کا سخت مخالف ہے"۔٦

اس بارے میں صادق حسین نے اپنی زندگی میں ایک انٹرویو کے دوران دوٹوک الفاظ میں ترقی پسند تحریک کے متعلق یہ جواب دیا تھا۔

"میرا کسی تحریک سے کوئی تعلق نہیں میں کسی رجحان ، روایت یا فیشن کا قائل نہیں بلکہ میں خود رجحان ہوں۔ خود روایت ہوں خود فیشن ہوں۔ میرا افسانہ لکھنے کا مقصد یہی ہے کہ میں لکھنا چاہتا ہوں ۔ افسانہ میری روح میں ہے اگر میں نہ لکھوں تو مر جاؤں۔ اگر کچھ عرصہ میں نے نہیں لکھا تو اس دوران سوچتا رہا ہوں کیونکہ سوچ پر پابندی نہیں ہے۔ نہ لکھتے ہوئے بھی میرا پر اس جاری رہتا ہے۔ میری وفاداری صرف میرے فن کے ساتھ ہے۔"٧

صادق حسین افسانوی ادب میں ایک معتبر نام ہے انھوں نے نیا سویرا ناول لہو کے چراغ ،ناولٹ" خوشبو "ڈرامہ اور انشائیہ کی طرز پہ ہفت روزہ زندگی میں سو سے زائد کالم لکھے انگریزی میں تراجم کا کام کیا بلوچستان ٹائمز میں کالم لکھے۔

اس کے باوجود وہ اپنی اولین شناخت افسانہ نگار کو قرار دیتے تھے اور افسانہ نگار کی حیثیت سے پہچانے جانے پر فخر کرتے تھے ۔"٨

غرض صادق حسین ہمارے عہد کے نیچے اورحساس افسانہ نگار ہیں ان کے افسانوں میں وہ دل دھڑکتا ہوا محسوس ہوتا ہے جس میں آج کے انسان کا کرب چھپا ہوا ہے انھوں نے اپنے افسانوں میں جن مسائل کی نشاندہی کی ہے اور ارد گرد ہے ان کا تعلق جیتی جاگتی دنیا سے ہے یہ واقعات اور کردار ہمارے ارد گرد بکھرے پڑے ہیں وہ ایک حقیقت پسند افسانہ نگار ہیں وہ وہی کہتے تھے جو ان کے اندر سے پھوٹتا تھا۔ جو وہ محسوس کرتے تھے۔ انھوں نے معاشرے میں موجود انسانوں کا نفسیاتی تجزیہ بڑی خوبی سے کیا ہے۔ یہ تخلیقی وصف اس تجربے مشاہدےاور ہنر کی دین ہے جو لوک روایت، زمینی رشتوں کے منسلک ہونے اور ثقافتی ادراک کے ساتھ وجود میں آتا ہے اور صادق حسین اس اور اک سے مالا مال نظر آتے ہیں ۔ اردو افسانوی ادب کی روایت میں صادق حسین نے اپنی سوچ ، اپنے مخصوص طرز احساس اور فنی رویے سے اہم اضافہ کیا ہے۔ وہ اس لحاظ سے قابل توجہ ہیں کہ ان کے افسانوی ادب میں عصری زندگی اور اس کے مسائل کا سچا شعور ملتا ہے۔ صادق حسین نے دیہات کو بطور خاص اپنا موضوع بنایا ہے اگر چہ اس میدان میں وہ اکیلے لکھنے والے نہیں ان سے پہلے اور ان کے ہم عصر افسانہ نگاروں میں ایک بڑی تعداد اس موضوع پر افسانے لکھتی رہی جن میں پریم چند، احمد ندیم قاسمی ، بلونت سنگھ ، ابو الفضل صدیقی ، غلام الثقلین نقوی اور جمیلہ ہاشمی کے نام قابل ذکر ہیں ۔ جب کہ اُن کے بعد دیہات نگاری میں نمایاں ناموں میں منشا یاد ، فرخندہ لودھی، طاہرہ اقبال ،علی اکبر ناطق اور محمد حامد سراج شامل ہیں ۔

لیکن صادق حسین نے اپنی تخیل آمیز حقیقت نگاری سے اس میدان میں اپنے لئے انفرادیت کی راہ نکالی ہے۔عارف عبدالمتین نے انھیں اردو کا اعتدال پسند افسانہ نگار قرار دیا ہے۔"٩

ان کی تخیل آمیز حقیقت نگاری کا سر چشمہ بھی یہی وصف ہے۔ وہ اپنے افسانوں میں نہ تو محض تخیل کے فلک بوس محل تعمیر کرتے ہیں اور نہ محض حقیقت کی چٹیل زمین کو اپنے قلم کی جولان گاہ قرار دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کی کہانیوں میں ایک تجزیہ نگار کی سی بے رحمی اور سنگینی اور ایک شاعر کی سی لطافت اور دلکشی کا احساس بیک وقت ہوتا ہے اور یہ دونوں مل کر اس کے فن کو دل آویز اور منفرد بناتے ہیں ۔

ڈاکٹر جمیل جالبی کا کہنا ہے۔

"کلاسیکل انداز میں زندگی کی جیتی جاگتی کہانی لکھنے والا آج کوئی دوسرا نہیں ۔ غلام عباس تھے مگر وہ آج نہیں ہیں ۔"١٠

جس طرح وہ کھری اور اذیت ناک حقیقت کو بھی حد درجہ نرم، سبک، سادہ، میٹھے اور دھیمے لہجے میں قاری کےدل و دماغ میں اتار دیتے ہیں توان کا یہ انداز انھیں غلام عباس سے مماثل کر دیتا ہے۔

صادق حسین نے دیہات اور نچلے متوسط طبقے پر بڑے عمدہ افسانے لکھے ہیں۔ صادق حسین کی انفرادیت یہ ہے کہ انھوں نے اس طبقے کی ترجمانی بڑے باشعور طریقے سے کی ہے۔ انھوں نے ایسے موضوعات پر قلم اٹھایا ہے جس پر پہلے کسی نے اتنی زیادہ توجہ نہیں دی مثل ان کے ہاں نچلے متوسط طبقے کے محض مسائل، پریشانیاں اور الجھنیں بیان نہیں ہوتیں بلکہ ان کے عشق اور محبت کا بیان بھی ملتا ہے لیکن اس کی بنیاد محض رومان پر نہیں ہوتی بلکہ یہ محبت ،سماج کے درمیان رہ جاتی ہے ۔ وہ زندگی کی حقیقوں سے ٹکراتی ہے یہاں ان کا رومان مجنوں گورکھپوری ، نیاز فتح پوری اور سجا دحیدر یلدرم سے مختلف ہو جاتا ہے ان کا رومان زندگی کے زیادہ قریب ہے اور ان کے ہاں رومان عشق اور محبت زندگی کی سنگین ، تلخ اور ٹھوس حقیقوں سے ہم آہنگ ہوا ہے۔ لیکن انھوں نے انھیں اس فنکاری سے شیر و شکر کیا ہے کہ افسانے پر زندگی کا گمان ہوتا ہے ۔

دیہات کی جیتی جاگتی ترجمانی کا فرض پہلی مرتبہ پریم چند نے ادا کیا تھا پھر احمد ندیم قاسمی نے اس روایت کو آگے بڑھایا۔ اب صادق حسین نے اس فن کو نئی زندگی دی ہے ۔ ان کے ہاں قدیم اور جدید ہم آہنگ ہو گئے ہیں ان کی کہانی نئی بھی ہے اور پرانی بھی ۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کہانی کی بنت کاری بہت مستحکم ہے۔ صادق حسین نے غلامی ، غربت، افلاس اور استحصال انسانی کے ہر روپ کے خلاف مزاحمت کی ہے ان کا مقصد یہ ہے کہ نچلے متوسط طبقے کے مسائل کو پیش کر کے ان پر ہونے والے ظلم کا احساس دلایا جائے ۔ صادق حسین نے زندگی کی تلخیاں پیش کر کے تہذیب اخلاق کا فریضہ انجام دیا ہے مگر واعظ یا خطیب بنا انھیں پسند نہیں ۔ عارف عبدالمتین نے بجا طور پر لکھا ہے کہ :

"صادق حسین سماجی ناہمواریوں اور ہر انداز کے انسانی استحصال کے خلاف سراپا احتجاج بن گئے ہیں انھوں نے ہمارے معاشرے کی ان بے اعتدالیوں کو کبھی مشرقی پاکستان اور کبھی مغربی پاکستان کبھی شہر اور کبھی دیہات کے پس منظر میں پیش کیا ہے اور ان کے طفیل انسانوں کی معصوم امنگوں ، لطیف آرزوؤں اور نازک ارمانوں کا خون ہوتے ہوئے دکھایا ہے مگر واضح رہے کہ ایسا کرتے وقت انھوں نے کبھی ایک سیاست دان مصلح یا معلم اخلاق کا روپ نہیں دھارا۔ بلکہ ہمیشہ ایک بڑے فنکار کے منصب پر فائز رہے اور یہی درخشاں حقیقت ان کی ادبی فتوحات کو استقلال عطا کرنے کی ضامن ہے۔ "١١

صادق حسین نے اپنے عہد کی معاشرتی پیچیدگیوں کو موضوع بنایا ہے ان کے افسانے ہمیں معاشرے میں جنم لینے والے المیوں سے روشناس کراتے ہیں۔ ان کے افسانے وقت کی سفاکیوں کا نوحہ اور انسان کی بے بسی کا تماشا ہیں ۔ صادق حسین نے طبقاتی کشمکش پر بڑے عمدہ افسانے لکھے ہیں ان کے ہاں عموماً کوئی ٹھیکیدار ، زمیندار یا سا ہو کار غریب طبقے کا استحصال کرتا نظر آتا ہے اس سلسلے میں ہتھیرا، درانتی کا گیت، انسان ، دو چھٹا نک چاول جیسے افسانے مثال کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہیں ۔

فضا بندی میں صادق حسین کو کمال حاصل ہے وہ جس علاقے یا خطے کی بات کرتے ہیں پہلے اس کا منظر اس طرح ابھارتے ہیں کہ قاری خود کو افسانے کی فضا میں رچا بسا محسوس کرتا ہے۔ فضاسے مانوسیت کے بعد وہ مصنف کی انگلی تھام کر دھیرے دھیرے سبک روی سے افسانے کے تمام نشیب و فراز سے بخوبی گزر جاتا ہے اور انجام پر ایک آگہی اور عرفان کا احساس قاری کے رگ و پے میں اتر جاتا ہے۔ ان کے اسلوب کا یہ انداز ان کی پہچان بن گیا ہے ان کے ہاں زبان کی شگفتگی اور کشش اپنا ایک الگ مقام کی رکھتی ہے ان . ان کے جملے نہایت خوبصورت اور معنویت سے بھر پور ہیں ۔ صادق حسین کے پاس کہانی بنانے ، اسے ہے نکھارنے اور ایک مخصوص اور درست سمت میں آگے بڑھانے کی بے پناہ قوت ہے ان کا اسلوب پرکشش اور دل کو لبھانے والا ہے ۔ انھیں اظہار پر مکمل عبور حاصل ہے۔ صادق حسین کا بڑا کمال ان کا ایجاز ہے صادق حسین کم سے کم لفظوں میں بڑے بڑے واقعات سمیٹ لیتا ہے۔) ملاحظہ ہو ا فسانہ پر پہنچیاں "کا آغاز (دریا کو کوزے میں بند کرنے والی مثال ان پر صادق آتی ہے۔ میرے نزدیک صادق حسین کی کہانیاں کرداروں کے گردگھومتی ہیں جو کسی نہ کسی ایسے کا شکار ہوتے ہیں۔ ان میں غربت، افلاس، بے حسی ، بھوک ان کے خاص مسائل ہیں ۔ ان کے افسانوی کردار حقیقی اور زندہ ہیں ۔ اس لئے کہ ان کا انتخاب ہمارے اردگرد بکھرے ہوئے لوگوں میں سے کیا گیا ہے۔ اور ان کی بدولت قاری اپنے اردگرد کے بہت سے واقعات اور مسائل سے آگاہ ہو جاتا ہے۔ صادق حسین کے ہاں انسان کے باعزت مقام اور اُس کی آسودگی کی خواہش واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔

صادق حسین نے محبت کے موضوع پر بھی بڑے خوبصورت افسانے تحریر کیے ہیں اگر چہ یہ انفرادیت کا رنگ لئے ہوئے ہیں لیکن ان کی فنی حیثیت میں ایک نئی جہت کی طرف اشارہ ضرور کرتے ہیں ۔ ان کا ناولٹ لہو کے چراغ بھی رومانوی رنگ لئے ہوئے ہے اور وہ ششی اور پرویز کے عشق کی روداد ہے۔ اسی طرح ان کے ناول نیا سویرا میں بھی ریحانہ اور اکرم کے رومانس کی جھلک نظر آتی ہے۔ ان کے ناول میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ اصل محبت میاں اور بیوی کے درمیان ہوتی ہے۔ عورت کو شادی کے بعد سکون صرف اپنے گھر میں ملتا ہے۔ بڑے طبقے کی پھیکی محبت کا احوال بھی ناول میں ملتا ہے امیر لوگ دولت کے نشے میں دیکھا دیکھی کلبوں میں جانا شروع کر دیتے ہیں اور بے دریغ شراب کا استعمال کرتے ہیں۔
صادق حسین کے اسلوب کی یہ خوبیاں ، موضوعات کی رنگارنگی اور انفرادیت فن کے یہ سب زا د یے مل کر انکی فنی عظمت کے غماز ہیں۔ وہ اردو افسانوی ادب میں یقیناً ایک بڑا نام ہیں اور اس مقام پر پہنچنے میں صادق حسین کی برسوں کی فنی ریاضت محنت لگن ، توجہ اور تخلیقی کرب کا بڑا حصہ ہے۔ صادق حسین کا افسانوی ادب ابلاغ کی قدر سے متصف ہے وہ ہمارے عہد کے حساس اور اہم افسانوی ادیب ہیں۔ میرے اس تمام جائزے کا نچوڑ ڈاکٹر جمیل جالبی کی اس رائے میں سمٹ آیا ہے جو انھوں نے صادق حسین کے فن اور مقام کے بارے میں دی ہے۔ وہ کہتے ہیں۔
"ان کے ہاں کردار نگاری بھی ہے حقیقت پسندی بھی۔ زندگی کا تنوع بھی ، معاشرتی رنگارنگی اور وہ گہرائی بھی جس سے فن وجود میں آتا ہے۔ مشاہدہ کی صداقت لفظوں کا چناؤ جملوں کی سادگی ، تاثیر میں جادواثر مجھے صادق حسین کی کہانیاں پسند ہیں اور میں انھیں اردو افسانے کا ایک بڑا نام سمجھتا ہوں۔ "۱۲

حوالہ جات

۱۔ نقوش افسانہ نمبر ، شمارہ ۱۱۹، بابت ستمبر ۱۹۷۴ء
۲۔ ڈاکٹر عبارت بریلوی افسانہ اور افسانے کی تنقید ادارہ ادب و تنقید لاہور ، ص : ۱۳
۳۔ مرزا حامد بیگ، افسانے کی روایت ص :۱۷
۴۔ پریم چند ۔ ان کا عہد اور فن ، پی ایچ ڈی کا غیر مطبوعہ مقالہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور
۵۔ اردو افسانے کا ارتقا ،پی ایچ ڈی کا غیر مطبوعہ مقالہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور
۶۔ عزیز ملک سے مقالہ نگار کی ملاقات بمقام را ولپنڈی
۷۔ رو بینہ کنول، صادق حسین کی افسانہ نگاری، مقالہ برائے ایم اے اردو ،ص:۶۱
۸۔ مقالہ نگار کی یاکمین پرویز سے ملاقات بمقام اسلام آباد، ۱۰، اگست ۲۰۱۶ء
۹۔ عارف عبدالمتین ، امکانات " اردو کا اعتدال پسند افسانہ نگار ص :۱۹۵
۱۰۔ فلیپ شہر اندر شہر صادق حسین
۱۱۔ عارف عبدالمتین ، امکانات اردو کا اعتدال پسندانہ افسانہ نگار ص : ۲۱۲ ،۲۱۳
۱۲۔ آراء افسانے صادق حسین ، ص : ۱۱